© rasailojaraid.com

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کا منہجِ اجتہاد

تحریر: ڈاکٹر محمود الحسن عارف

دنیا میں یوں تو اربوں کھربوں کی تعداد میں انسان آئے اور نجانے کتنے ارب یا کھرب انسان ابھی اور اس دنیا میں جنم لینے والے ہیں، مگر ان اربوں کھربوں انسانوں میں سے ایسے انسان جو اپنی عقل و فہم اور اپنے تدبر و فراست سے تاریخ عالم پر اپنا اثبات و دوام رقم کر گئے، کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ غلامان محمد ﷺ کی اس فہرست میں امام ابو حنیفہؒ کا نام سرفہرست آتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ قدس سرہ کے متعلق یوں تو اکابر و اسلاف امت نے ہر دور میں تبصرے کیے، اور ان کی ذات کو خراج تحسین اور ان کی خدمات کو خراج عقیدت ادا کیا ہے، مگر ان میں سے کوئی بھی شخص امام شافعیؒ کے اس تبصرے تک نہ پہنچ سکا کہ

الناس عیال علی ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ فی الفقہ (۱)

لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے مختصر حالات زندگی

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے منہج استدلال پر نقد و تبصرہ سے پہلے مناسب ہوگا کہ آپ کے حالات زندگی پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

امام ابو حنیفہؒ حضرت ثابت کے ہاں ۸۰ھ/۶۹۹ء میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے، آپ کے دادا حضرت نعمان نے حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں اسلام قبول کیا اور اپنے خاندان میں اچھی روایت کی تاسیس کی، آپ کے پوتے حضرت اسماعیلؒ کا بیان ہے کہ:

"خدا کی قسم ہم پر رق (غلامی) کبھی طاری نہیں ہوئی۔ میرے پردادا حضرت ثابت صغر سنی میں حضرت علیؓ کی خدمت میں لائے گئے اور حضرت علیؓ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی (۲)

مشہور روایت کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کے دادا حضرت نعمانؒ کابل (موجودہ افغانستان) کے رہنے والے تھے (۳) خطیب بغدادی نے کابل کے علاوہ بابل، انبار، ترمذ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نسا کے نام بھی لیے ہیں جس سے یہ بات وثوق سے ثابت ہوتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ عجمی اور فارسی الاصل تھے۔

بعض سیرت نگاروں نے امام ابو حنیفہؒ کو جو التیمی لکھا ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا خاندان نبو تیم بن ثعلبہ کا مولی اور حلیف تھا (۴)

مفتاح السعادۃ میں ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے والد محترم کے وصال کے بعد حضرت امام جعفر صادقؒ سے نکاح کرلیا تھا لہذا امام صاحبؒ کی تمام تعلیم و تربیت حضرت امام جعفر صادقؒ کی نگرانی اور گود میں ہوئی۔ اس سے حضرت امام کے دل میں خاندان نبوت کیلئے جو نرم گوشہ تھا۔ اس کی حکمت و وجہ بھی سمجھ آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک پیش گوئی اور اس کا مصداق:

رسول اللہ ﷺ نے کسی موقع پر ایک پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا:

لوکان الایمان عندالثریا تناوله رجال من فارس (۵)

اگر ایمان ثریا ستارے کے قریب بھی ہوا تو فارس (ایران) کے کچھ لوگ اسے ضرور حاصل کرلیں گے۔

جبکہ محدث ابو نعیم نے حلیۃ میں یہ روایت اس طرح روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لوکان العلم معلقاًبالثریالتناونه رجال من قوم‌فارس (٦)

اگر علم (وعرفان) ثریا (ستارے) کے ساتھ معلق ہوا تو تب بھی اسے فارس کے فرزند ضرور حاصل کرلیں گے۔

بظاہر اس روایت کا مصداق وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے دوسری اور تیسری صدی ہجری میں مسند علم وعرفان پر بزم آرائی کی اور جن کے طفیل علوم وفنون اسلامیہ کی تدوین وتالیف عمل میں آئی۔ جبکہ بعض علمائے کرام نے خصوصی طور پر امام ابو حنیفہ قدس سرہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ نامور محدث اور عالم، امام جلال الدین سیوطیؒ بھی انہی بزرگوں میں شامل ہیں۔ شافعی المسلک ہونے کے باوجود انہوں نے نہایت وثوق کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ ہی کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے، آپ لکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المراد بھذا الحدیث ابو حنیفۃ و اصحابہ (۷)

اس روایت سے مراد (امام) ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردان رشید ہیں۔

گویا امام صاحبؒ سے علوم دینیہ کی خدمت کا لینا تقدیر الٰہی میں ،پہلے سے طے شدہ اور فیصل شدہ امور میں سے تھا، اسی حکمت و مصلحت کے تحت آپ کے والد یا دادا کو لا کر ایک ایسی جگہ پہنچا دیا گیا جو کہ اس دور کی علمی، ادبی اور فقہی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

امام ابو حنیفہؒ کی زندگی کے دو ادوار ہیں۔ پہلے دور میں آپ کو صرف ایک نیک اور اعلیٰ اخلاق والا تاجر دیکھا گیا۔ آپ کے سوانح نگاروں کے بقول کوفہ میں آپ کا خز (ریشم) بنانے کا ایک کارخانہ تھا اور آپ کی ایک دوکان تھی (۸)

اپنی زندگی کے دوسرے دور میں آپ کو فقہ اور علوم اسلامیہ میں امت کی رہنمائی کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔

امام صاحبؒ نامور کوفی عالم حضرت حماد بن ابی سلمہ (م ۱۲۰ ھ) کے نامور ترین شاگرد اور ان کے جانشین تھے۔ سوانح نگاروں نے آپ کے ساتذہ کرام کی ایک لمبی فہرست دی ہے (۹) انہیں اگر تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ انہوں نے تابعین کی ایک بہت بڑی تعداد سے استفادہ علمی کیا تھا اور وہ بذات خود بھی ایک تابعی تھے (۱۰) ابن سعد نے آپ کا تابعین کے طبقہ پنجم میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے نامور صحابی حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا اور حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ عبد اللہ بن ابی اوفیؓ اور سہل بن سعدؓ کا زمانہ پایا۔

علم الکلام میں امام صاحبؒ کی خدمات

کوفے کا یہ شریف و دیانت دار تاجر جو آئندہ زمانے میں وقت کا ایک نامور امام بننے والا تھا، ابتداء میں "علم الکلام یا علم العقائد کے ایک مناظر اور ماہر عالم کے طور پر سامنے آیا۔ یہ زمانہ اسلام کی کثرت فتوحات کے باعث نومسلموں کی کثرت و فراوانی کا زمانہ تھا۔ دنیا کے مہذب اور ترقی یافتہ علاقے کے لوگ جب کثرت سے مسلمان ہونے اور اسلام کی اشاعت کا سبب بننے لگے، تو اس کے نتیجے میں عقائد و ایمانیات کے مباحث کا بازار گرم ہو گیا۔ خود مسلمانوں میں سے کئی فرقے ابھرنے لگے جو اسلامی عقائد و ایمانیات کے متعلق طرح طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے شگوفے چھوڑتے اور اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے تشکیک وتذبذب پیدا کرنے اور مسلمانوں کو ان کے ایمان سے پھیرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ان حالات میں اگر اس وقت کے اہل علم ان فتنوں کی سرکوبی اور ان کا علمی میدان میں مقابلہ نہ کرتے تو نہ جانے یہ لوگ کیا کیا گل کھلا چکے ہوتے۔

امام ابوحنیفہؒ کا پہلا مقابلہ انہی انتشار پسندوں سے ہوا، آپ نے اپنی بہترین ذہنی اور فکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان تمام فتنہ انگیزیوں کا استیصال کیا اور آپ اسلام کی نشرواشاعت کا ذریعہ اور سبب بنے۔امام صاحب کی تمام دستیاب تصانیف اسی موضوع سے متعلق ہیں۔

۲۔ حضرت حماد بن ابی سلیمہ کی مسند پر: امام اعظمؒ کی امت اسلامیہ کےلئے اصل خدمات کادور آپ کے استاد محترم حضرت حماد بن ابی سلمہؒ کے انتقال (۱۲۰ھ) اور آپ کی، ان کی جگہ، مسند آرائی سے شروع ہوتا ہے۔اس وقت فقہ کی دنیا میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی تھی اور فقہ وقیاس کےلئے کوئی پیمانہ اور معیار طے نہ تھا۔آپ نے پہلی مرتبہ باقاعدہ اصولوں کے تحت، مسائل فقہ کا استنباط واستخراج کیا۔آپ کے ایک نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ آپ کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

"آثار اور فقہ الحدیث کےلئے ایک مقیاس صحیح پیدا کرنا وہ لازوال علمی کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام صاحبؒ کے نام سے منسوب رہے گا"

اسی پر موقوف نہیں، امام صاحبؒ کے باب فضائل ومناقب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ فقہی مسائل کے متعلق اپنے شاگردوں سے بحث ومباحثہ کیا کرتے تھے، چنانچہ قلائد عقود العقیان میں کتاب الصیانہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے بارہ لاکھ سے زیادہ مسائل مدون فرمائے۔آپ نے انفرادی طور پر مسائل کا فتویٰ جاری کرنے کے بجائے چالیس افراد پر مشتمل ایک مجلس بنائی۔امام الطحاوی نے ان میں سے تیرہ افراد کے نام گنوائے ہیں۔ان میں امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی شخصیتیں نمایاں ہیں اس طرح امام ابوحنیفہؒ کی سرکردگی میں گویا ایک فقہی بورڈ قائم ہوگیا تھا جس نے امام صاحبؒ کی زندگی میں تیس برس تک کام کیا اور اس کے بعد اس طرز فکر کو آپ کے شاگردوں نے جاری وساری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکھا۔

امام ابوحنیفہؒ کے اس طریقہ کار کی مزید تائید مسند خوارزمی میں مذکور، حسب ذیل روایت سے ہوتی ہے:

"ابن قدامہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن (نامور تابعی) حضرت وکیع بن جراح کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک شخص نے کہا امام ابوحنیفہؒ نے فلاں مسئلے میں غلطی کی ہے، وکیع نے کہ کہ بھلا ابوحنیفہؒ کیوں کر غلطی کر سکتے ہیں حالانکہ ان کے پاس قیاس واجتہاد میں امام ابویوسفؒ، امام محمد بن الحسنؒ اور امام زفرؒ جیسے فقیہ، معرفت حدیث اور حفظ روایات میں یحیٰ بن زکریا، حفص بن غیاث، حبان اور مندل علی کے دونوں بیٹوں جیسے اصحاب، لغت دانی اور عربیت میں قاسم بن معن اور عبدالرحمان بن عبداللہ بن مسعود جیسے علماء، اور زھد وورع میں حضرت طائی، اور فضیل بن عیاض جیسے لوگ موجود تھے اور جس کے اصحاب شاگرد اس قسم کے ہوں وہ ہرگز خطا نہیں کرسکتا۔۔۔ پھر فرمایا: جو شخص ابوحنیفہ کے متعلق ایسی بات کہتا ہے وہ چوپایہ بلکہ اس سے بھی بدتر ہے، اور اس کے حق میں، میں وہ شعر کہتا ہوں جو فرزدق نے جریر کے مقابلے میں کہا تھا۔

اولائک آبائی فجئنا بمثلھم　　اذا جمعتنا یاجریر المجاع(۱۱)

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے مسلک کی تائید وتوثیق کیلئے سب سے عمدہ قول وہ ہے، جو نامور بزرگ حضرت ابن شریح سے منقول ہے جو شافعی المسلک بزرگ تھے:

انہوں نے ایک دن ایک جاہل شخص کو امام ابوحنیفہؒ کے حق میں کچھ طعن کرتے سنا تو انہوں نے فرمایا: اوجاہل تو اس امام کے حق میں طعن کرتا ہے جس کے لئے تمام امت نے تین ربع (۳/۴) علم تسلیم کیا ہے، اور وہ ایک چوتھائی علم بھی ان کے لئے تسلیم نہیں کرتے۔ اس نے کہا یہ کیونکر؟ ابن شریح نے کہا کہ علم سوال وجواب کا نام ہے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سوالات مرتب فرمائے، تو اس طرح نصف علم (فقہ) ان کے لئے مسلم ہوا پھر ان سوالوں کے جواب بھی انہوں نے خود ہی دیئے۔ جن کو کچھ لوگ درست اور کچھ غلط قرار دیتے ہیں تو جس وقت ہم ان کے درست جوابات کا غلطیوں سے تقابل کرتے ہیں اور نصف علم (فقہ) بھی ان کے لئے مسلم پاتے ہیں تو تین چوتھائی علم آپ کے لئے ہوا اور ایک چوتھائی باقی رہا جس میں وہ بھی مدعی ہیں اور ان کے مخالفین بھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تبصرہ

آپ کی ذات وکمالات کے متعلق سب سے عمدہ اور پاکیزہ تبصرہ وہ ہے، جو صاحب حال وقال بزرگ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا۔ آپ فرماتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال امام اعظمؒ کوفی رحمہ اللہ کی ہے جنہوں نے ورع وتقویٰ اور متابعت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اجتہاد و استنباط میں ایسا درجۂ اعلیٰ حاصل کیا ہے کہ جس کے سمجھنے سے دوسرے لوگ عاجز ہیں اور ان کے مجتہدات کو بسبب دقت معانی کے کتاب وسنت کے مخالف جان کر ان کو اصحاب رائے میں سے گمان کرتے ہیں۔ سو ہر ایک ایسی بات ان کے علم اور روایت کی حقیقت تک نہ پہنچنے اور ان کے فہم وفراست پر عدم اطلاع کے سبب سے ہے، لیکن امام شافعیؒ نے تھوڑا سا ان کی فقاہت سے معلوم کیا جو کہا کہ تمام فقہاء فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال ہیں (۱۲)

ایک اور بزرگ خواجہ محمد پارساؒ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے نزول فرمائیں گے، تو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر حکم اور عمل کریں گے اور بغیر شائبہ تکلف وتصنع کے (۱۳)

الغرض امام ابوحنیفہؒ نے اپنے استاد محترم حضرت حماد بن ابی سلمہؒ کی مسند علم وعرفان پر رونق افروز ہوتے ہی علم فقہ واصول فقہ کی وہ مجالس سجائیں کہ موافق تو موافق رہے آپ کے مخالفین بھی آپ کی تعریف وتوصیف کیئے بغیر نہیں رہ سکتے، اسی طرح آپ نے مسائل فقہ کی تدوین وتالیف کی ایک نئی روایت کا آغاز کیا، نئی اس اعتبار سے کہ اس سے پہلے انفرادی سطح پر تو اجتہاد واستنباط مسائل کی مثالیں ملتی تھیں، مگر اجتماعی طور پر اور نئے مسائل ومعاملات کو سامنے رکھ کر اجتہاد مسائل کی صورت امام ابوحنیفہؒ نے پہلی مرتبہ وضع کی اور بالآخر اسی پر چاروں مسالک فقہ نے اپنی اپنی عمارتیں تعمیر کیں اور آج جو دنیائے اسلام امام صاحبؒ کے اس طریقے کی اتباع کرکے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے میں مصروف ہے تو یہ بھی آپ ہی کا فیضان ہے جو تاقیامت جاری رہے گا۔

سانحہ وفات اور تدفین

اس بات پر تو سانحہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ امام ابوحنیفہ قدس سرہ کا سانحہ ارتحال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شب جمعہ یکم رمضان ۱۵۰ھ میں پیش آیا(۱۵ شعبان اور ۱۵ شوال کی تاریخیں بھی منقول ہیں)اس وقت عالم اسلام پر ابو جعفر منصور کی حکمرانی تھی اور یہ کہ وفات کے بعد آپ کو بغداد میں نامور خاتون خیزران کے مزار کے مشرقی جانب دفن کیا گیا۔ بعد ازاں اس تمام علاقے کو امام صاحب کے نام پر اعظمیہ کہا جاتا ہے۔ یہ نام ابھی تک برقرار ہے۔ابوسعد محمد بن منصور خوارزمی مستوفی مملکت سلطان شاہ نے ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء میں یہاں پر ایک مقبرہ تعمیر کرادیا، جس کے ساتھ احناف کے لئے ایک بہت بڑا مدرسہ بھی تھا۔اس وقت یہاں ایک مسجد جامع ابی حنیفہ اور اس کے پہلو میں مزار ابی حنیفہ کے نام سے شاندار عمارات موجود ہیں۔ البتہ امام صاحبؒ کی موت کے سبب کے متعلق اختلاف ہے۔ مؤرخین نے دو اقوال نقل کیئے ہیں نامور فقیہ اور مؤرخ مولوی فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

خلیفہ ابو جعفر منصور نے آپ کو بغداد کی قضا منظور کرنے کیلئے کہا، مگر آپ نے انکار کر کے قسم کھالی، اس پر خلیفہ نے قید کر کے قضا کے منظور کرنے کیلئے مجبور کیا، مگر آپ نے قبول نہ کیا آخر الامر خلیفہ نے حکم دیا کہ ہر روز آپ کو دس تازیانے مارا کریں۔ اگرچہ آپ نے ایک سو تازیانے کھائے، لیکن جب بھی وہی انکار جاری رکھا۔ اس کے بعد دس روز تک آپ پر کھانے پینے کی طرف سے تنگی کی گئی، جس سے آپ نے رو کر خدا سے دعا کی اور اس کے پانچ دن کے بعد آپ نے وصال فرمایا(۱۴)

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کو زہر دیا گیا جو پانی یا کسی مشروب میں ملایا گیا تھا اور اس کے پینے سے آپ کی موت واقع ہوئی(۱۵)

آپ کے جنازے پر خلقت کا اس قدر ہجوم تھا کہ کندھا دینے والوں کی کثرت سے جنازے کی لکڑیاں ٹوٹ گئیں۔قاضی حسن بن عمارہ نے پچاس ہزار آدمیوں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھی اور اس آفتاب علم و دانش کو قبر میں اتار دیا۔

امام عبد اللہ بن مبارکؒ کا مرثیہ

امام صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پر یوں تو بے شمار علماء نے اظہار خیال کیا ہے اور شافعی عالم خطیب بغدادی نے آپ کے فضائل و مناقب پر پندرہ صفحات پر علماء ائمہ کے اقوال نقل فرمائے ہیں، مگر ان میں حضرت عبد اللہ بن مبارکؓ کا یہ مرثیہ تمام اقوال و آثار کا ماحصل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے فرمایا:

لقدزان البلاد ومن علیها — امام المسلمین ابوحنیفة
باثار و فقه فی حدیث — کایات الزبورعلی صحیفة
فمافی المشرقین له نظیر — ولافی مغربین ولابکوفة
یبیت مشمرأسهراللبالی — وصام نهاره لله خیفة
فمن کابی حنیفة فی علاه — امام للخلیقة والخلیفة
رایت العائبین له سفاها — خلاف الحق مع حجج ضعیفة
وکیف یحل ان یوذی فقیه — له فی الارض آثار شریفه
فقد قال ابن ادریس مقالا — صحیح النقل فی حکم لطیفة
بان الناس فی فقه عیال — علی فقه الامام ابی حنیفة
فلعنةربنااعدادرمل — علی من ردقول ابی حنیفة (۶۱)

(شہروں اوران کے رہنے والوں کو امام ابوحنیفہؒ سے آثار و روایات اور فقہ فی الحدیث سے مزین و آراستہ کر رکھا تھا۔ جیسے کہ زبور کی آیات اس کے صحیفے کے لئے باعث زینت ہیں۔ امام صاحب کی مثال نہ تو دونوں مشرقوں میں ہے اور نہ دونوں مغربوں میں اور نہ ہی کوفہ میں۔ آپ رات کو دبلے پیٹ کے ساتھ جاگ کر رات گزارتے ہیں (صائم الدھر اور شب زندہ دار ہیں) اور دن کے وقت اللہ کے ڈر سے روزے رکھتے ہیں سو کوئی ایسا شخص ہے جو امام ابوحنیفہؒ کی طرح مخلوق اور مسلمانوں کے خلیفہ کا بلندی میں امام ہو؟ میں نے آپ پر حرف گیری کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ مضبوط دلیل کے خلاف، کمزور دلائل کے ساتھ آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور بھلا یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ کسی ایسے فقیہ کو (برا بھلا کہہ کر) تکلیف دی جائے جس کے زمین پر بہت سے محترم نشانات موجود ہیں، امام شافعیؒ نے آپ کے متعلق درست کہا ہے کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے عیال (محتاج) ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ اس شخص پر ریت کے ذرات کے برابر لعنت کرے جو امام ابوحنیفہؒ کے قول کو از راہِ مخالفت رد کرے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصانیف:

امام محمد رازیؒ (م ۶۰۶ھ) نے مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی کوئی کتاب باقی نہیں رہی، مگر یہ قول درست نہیں ہے۔ البتہ اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ قلیل التصانیف بزرگ تھے۔

نامور مؤرخ ابن الندیم نے الفہرست میں آپ کی چار کتابوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ الفقہ الاکبر
۲۔ عثمان البستی (البتی) کے نام خط
۳۔ العلم والمتعلم، اور
۴۔ الرد علی القدریۃ

یہ چاروں کتب مطبوعہ صورت میں موجود ہیں مگر حقیقت میں خود امام ابو حنیفہؒ کی واحد مستند تحریر جو ہم تک پہنچی ہے وہ ان کا وہ خط ہے جو انہوں نے عثمان البتی کو لکھا تھا اور جس میں آپ نے مہذبانہ طریقے پر اپنے نظریات کی مدافعت کی ہے۔ (یہ خط العلم والمتعلم اور الفقہ الاکبر کے ہمراہ قاہرہ سے (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۹ء) میں شائع ہوچکا ہے)

اس کے علاوہ امام صاحبؒ کی طرف وصیۃ ابی حنیفہ بھی منسوب ہے۔ مگر وہ امام صاحبؒ کی اپنی تصنیف نہیں ہے اور اس کا استناد بھی محل نظر ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ النعمانیہ جو ۱۳۲۸ھ میں استنبول سے شائع ہوا، بھی آپ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے (۱۷)

امام ابو حنیفہؒ کا منہج استدلال

اب ہم حضرت امام الاعظمؒ کے منہج استدلال پر مختصر سی بحث کریں گے جس سے اس الزام کی تردید مقصود ہے کہ امام صاحبؒ نے رائے اور قیاس کا غلط طریقے پر استعمال کیا اور معاذاللہ انہوں نے دین میں ایک نئی بدعت کا آغاز کیا۔ بہر حال امام صاحبؒ کے منہج استدلال کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) رائے اور قیاس کا بر محل اور بجا استعمال

یہ بات تمام اہل علم کو معلوم ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی خداداد فہم و فراست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور طبعی جودوذکا سے جس مسلک کی بنیاد رکھی،اس کی نمایاں ترین، خصوصیت "رائےوقیاس" کا خصوصی استعمال ہے خود امام صاحبؒ فرماتے ہیں! ہمارا یہ علم "رائے" ہے اور یہی میرے نزدیک سب سے بہتر ہے پس جو شخص اس کے سوا کسی اور رائے کو بہتر سمجھے تو اس کے لئے اس کی رائے اور ہمارے لئے ہماری رائے (۱۸)

محققین کے یہاں فقہ حنفی کا یہ "رائے اور قیاس" پر مبنی ہونے کا وصف اس کا سب سے بڑا اور سب سے عمدہ وصف ہے۔ البتہ کچھ لوگوں کے نزدیک اس کا یہی سب سے بڑا عیب ہے۔ تاہم ہمارے خیال میں یہ نزاع محض لفظی ہے اس لئے کہ لوگ "رائے اور قیاس" کے ظاہری الفاظ سے جو مفہوم مراد لیتے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔ یعنی یہ کہ رائے اور قیاس سے مراد قرآن وحدیث کے مقابلے میں اپنی من مانی رائے پیش کرنا ہے، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔

رائے اور قیاس کے الفاظ ایک خاص علمی پس منظر رکھتے ہیں اور ان کی حقیقت و ماحیت کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بذات خود اس دولت سے مالا مال ہو اس لئے کہ بقول شخصے "ولی را ولی می شناسد (ولی کو ولی ہی پہچان سکتا ہے) ایک مجتہد اور اس کی شان کو ایک مجتہد ہی سمجھ سکتا ہے۔ امام صاحبؒ کے مقام کو سمجھنے کے لئے آپ کے قریب قریب دماغ کی ہی ضرورت ہے، اسی لئے امام شافعیؒ جیسے بالغ نظر شخص آپ کی نسبت یہ فرماتے ہیں:

"تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں"

رائے اور قیاس در حقیقت اجتہاد ہی کے اعلی وارفع اصولوں کو اپنا کر کسی رائے یا نتیجے تک پہنچنے اور ایک نتیجہ اخذ کرنے کا نام ہے، اسی کو قیاس اور اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ ایسا قیاس واجتہاد خواہ اسے رائے کا نام دیں یا قیاس واجتہاد کا۔ خود شارع ﷺ کے ہاں بھی مطلوب و مقصود رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس کے لئے استنباط کا لفظ استعمال فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

واذا جاء هم امرمن الامن اوالخوف اذاعوابه ولوردوه الى الرسول والى اولى الامرمنهم لعلمه لذين يستنبطونه منهم

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے، تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول اللہ ﷺ اور اپنے میں سے اہل فہم کے پاس لے آتے تو وہ لوگ اس (کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت) کو جان لیتے جو اس کو سمجھتے ہیں ان میں سے۔

گویا عام واقعات وروایات سے، خواہ زمانہ امن ہو یا زمانہ جنگ، کوئی صحیح نتیجہ اخذ کرنا اہل علم ودانش ہی کا فعل ہے اور یہ بات عام لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتی۔

۴۔ عام لوگوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ جب بھی کوئی بات سنیں تو وہ اس سے خود بخود کوئی نتیجہ اخذ نہ کریں بلکہ اسے ایسے اشخاص وافراد تک پہنچائیں جو کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امام صاحبؒ کو خصوصی طور پر یہ شرف عطا فرمایا تھا۔ اسی لئے آپ اور آپ کی جماعت کو "اھل الرائے" کا لقب عطا ہوا۔ یہ لقب بطور عیب اور تنقیص نہیں تھا۔ ایسا ہوتا تو آپ کے عہد میں اس بنیاد پر آپ کی اور آپ کے گروہ کی مذمت کی جاتی۔ مگر یہاں حال یہ ہے کہ تمام لوگ امام ابو حنیفہؒ کی قدر ومنزلت کے قائل تھے۔

صرف سترہ احادیث یاد ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب

ابن خلدون نے بلا کسی دلیل کے اپنے مقدمہ میں یہ لکھ دیا کہ امام ابو حنیفہؒ کو کل سترہ احادیث یاد تھیں بس پھر کیا تھا یار لوگوں نے اس کو ایک ہوا بنا دیا اور اس کے حق میں دھڑا دھڑ دلائل کے دلائل دیئے جانے لگے کہ واقعی امام ابو حنیفہؒ کو سترہ احادیث یاد تھیں۔ حالانکہ اول تو ابن خلدون کا یہ قول بلاشبہ بے دلیل ہے پھر ابن خلدون نہ تو بذات خود محدث ہے اور نہ ہی ناقد حدیث وناقد رجال۔ علاوہ ازیں دونوں کے زمانوں میں ماہ وسال کا اتنا فرق ہے کہ ابن خلدون کے لئے امام صاحب کے زمانے کو اپنے ذاتی علم ومشاہدے کے ساتھ جاننا ممکن ہی نہیں اور یہ قول ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کردے کہ امام بخاریؒ یا امام مسلمؒ کو سترہ احادیث یاد تھیں۔ باقی انہوں نے دوسروں سے سن کر لکھی ہیں ظاہر ہے اس بے سروپا بات پر کوئی شخص کان دھرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ قول بھی بلاسند ہونے کی بنا پر ناقابل اعتبار ہے۔

پھر امام ابو حنیفہؒ کی نسبت تحقیق سے ثابت ہے کہ آپ نے طلب روایت اور استفادۂ حدیث کیلئے مکہ ومدینہ کے متعدد سفر کیے اور وہاں کچھ مدت قیام پذیر بھی رہے (۱۹) اور اپنے عہد کے نامور محدثین سے اکتساب فیض کیا۔ مزید براں جس سرزمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی علمی آبیاری حضرت علی ابن ابی طالبؓ (م ۴۰ھ)، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۳ھ) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (م ۵۰ھ) حضرت براء بن عازبؓ (م ۷۲ھ) حضرت خباب بن ارتؓ (م ۳۷ھ) حضرت ابوقتادہ انصاریؓ (م ۵۰-۶۰ھ) اور حضرت زید بن ارقمؓ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی ہو اس سرزمین کے ایک گرامی قدر محدث اور مسند نشین حماد بن ابی سلمہ کو قلت حدیث کا طعنہ نہیں دیا جاسکتا۔

قدیم کتب سیرت میں اگر صرف طبقات ابن سعد کے صحابہ و تابعین کی نسبت دیئے گئے اعداد و شمار کو سامنے رکھا جائے تو شہر ابوحنیفہ کی علمی حیثیت کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ ابن سعدؒ کی تحقیق کے مطابق کوفہ کے دور اول کے علمی رجال حسب ذیل تعداد میں تھے:

صحابہ کرام	۱۵۰
تابعین: طبقہ اولی	۳۴۴
طبقہ ثانیہ	۶۹
طبقہ ثالثہ	۱۲۳
طقبہ رابعہ	۸۱
طبقہ خامسہ	۵۳
طبقہ سادسہ	۴۹
طبقہ سابعہ	۶۳
طبقہ ثامنہ	۶۹
طبقہ تاسعہ	۲۸

میزان صحابہ ۱۵۰، کل تعداد تابعین ۸۵۴ (۲۰)

قیاس اور رائے کے استعمال کا پس منظر

اسلام کا قانون شریعت چار بنیادی ماخذ پر استوار ہے جن میں قرآن، سنہ، اجماع اور قیاس شامل ہیں۔ ان میں سے قرآن کا درجہ سب سے بلند و ارفع اور مستحکم ہے بلکہ یہی اصل، ماخذ فقہ" ہے (۲۱) تاہم قرآن حکیم میں آیات احکام کی تعداد بمشکل پانچ صد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے(۲۲)ان آیات میں بھی زیادہ تر اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں، فردعات اور جزئیات کو کم ہی زیر بحث لایا گیا ہے، اس بنا پر خود متن قرآن میں اس کے صحیح اور ٹھیک ٹھیک فہم کے لئے سنت نبوی ﷺ کو بطور توضیح و تشریح ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے، مثلاً سورۃ القیامہ میں ارشاد ہے:

ان علینا جمعہ وقرآنہ فاذاقرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ(۲۳)

بلاشبہ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ہی ذمے ہے، پھر جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو) اور پھر اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر اس کی تشریح (بیان معانی) بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔

لیکن آگے چل کر وسعت پذیر معاشرے اور تمدن کی ضروریات کے پیش نظر احادیث اور سنت کے بھی بہت سے پہلوا بھی غور طلب ہوئے، جن میں احادیث کا ضعف وثقاہت کے اعتبار سے باہمی تفاوت اور ایک ہی موضوع پر باہم دگر (بظاہر) مخالف روایات کی موجودگی، ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ، تخصیص، تعمیم، اطلاق وتقیید اور اس نوع کے بہت سے مسائل شامل ہیں کہ ان سب پر غور وفکر کی ضرورت پیش آئی، پھر صحابہ وتابعین کے فتاوی اور ان کے تعامل کا معتد بہ ذخیرہ بھی موجود تھا، احادیث وروایات کے مقابلے میں ان کے مقام کا تعین بھی ابھی بحث طلب تھا، الغرض اس قسم کے بہت سے معاملات ابھی غور طلب تھے، یا کم از کم قرآن وسنۃ کی روشنی میں ان کا تسلی بخش حل تلاش کرنے کی ضرورت تھی۔

دوسری جانب وسعت پذیر اسلامی معاشرے اور حضری تمدن کی ضروریات تھیں جو ہر نئے مسئلے کے قرآن وسنت کی روشنی میں دو ٹوک فیصلے کی متقاضی تھیں۔

یہ حالات تھے جب امام ابو حنیفہؒ نے اپنے گرامی قدر مربی واستاد شیخ حماد بن ابی سلمہ کی مسند علم کو زینت بخشی اور "رائے وقیاس" پر مبنی اپنے عہد ساز مشن کا آغاز فرمایا۔

قرآن حکیم کا ایک دعوی اور اس کی درست تعبیر

بظاہر "رائے وقیاس" پر مبنی حنفی طریقہ استدلال قرآن وسنۃ سے معارض معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ خود نص قرآن کے عین مطابق ہے۔ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف میں معمولی سے تغیر کے ساتھ جامعیت قرآن کا مضمون یوں بیان ہوا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولقدصرفنا للناس فی هذاالقرآن من کل مثل (۲۴)

اور ہم نے قرآن حکیم میں سب طرح کی باتیں بیان کردی ہیں۔

لیکن اگر اس کے عملی انطباق کو سامنے رکھا جائے تو جزئیات تو الگ رہیں جملہ کلیات بھی قرآن حکیم میں مفصل مذکور نہیں ہے۔ خود نماز کو ہی سامنے رکھیے۔ نماز ادا کرنے کا کامل طریقہ یا اس کے ارکان وفرائض کی ادائیگی کا اسلوب قرآن حکیم میں کسی ایک جگہ بھی تشریحاً بیان نہیں کیا گیا تو کیا (معاذاللہ) قرآن حکیم کا محولہ بالا ادعا، خلاف واقعہ سمجھا جائے؟ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم نے دو اہم باتوں کو بار بار موضوع سخن ، بنا کر انسانوں کی یہ مشکل حل کردی ہے۔

قرآن حکیم میں ہر جگہ عقل وفکر اور فہم وشعور سے کام لینے پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر قرآن حکیم میں عقل (انچاس مرتبہ) فکر (اٹھارہ مرتبہ) مادہ تفقہ (سمجھ بوجھ) (بیس مرتبہ) اور غور وتدبر (چار مرتبہ) کا حکم دیا گیا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو اپنے روزمرہ کے مسائل ومعاملات حل کرنے کے لئے غور وفکر اور تدبر وتفکر کی تاکید وہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالھا (۲۵)

بھلا یہ لوگ قرآن حکیم میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے کیا ان کی عقلوں پر قفل پڑ چکے ہیں۔

اسی طرح سورۃ النحل میں ہے:

وانزلناالیک الذکرلتبین للناس مانزل الیھم ولعلھم یتفکرون (۲۶)

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے تا کہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوئے وہ ان پر ظاہر کردو تا کہ وہ غور کریں

سورۃ العنکبوت میں ارشاد مبارک ہے:

وتلک الامثال نضربھاللناس ومایعقلھاالاالعالمون (۲۷)

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں۔ اور انہیں نہیں سمجھ سکتے مگر عالم لوگ۔

تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اگر عقل کو یونہی بے لگام چھوڑ دیا جائے تو وہ فائدہ مند ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ اسی لئے عقل کو قرآن وحدیث کے تابع رکھنا ضروری قرار دیا گیا اور اس اصول کا سورۃ النساء میں جامع ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انداز میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

یاایھاالذین امنوا اطیعوااللّٰہ واطیعواالرسول اولیٰ الامرمنکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللّٰہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللّٰہوالیوم الاخر(۲۸)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرواور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کرواور جو تم میں سے صاحب امر ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہوجائے تو اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو۔

اس بات کا حضرت معاذ بن جبلؓ کی حدیث میں یوں ذکر ملتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں:

"آنحضور ﷺ نے جب مجھے یمن کا گورنر مقرر فرمایا: تو پوچھا تم کس چیز کی رو سے فیصلہ کروگے؟ میں نے عرض کیا قرآن کی رو سے، فرمایا اگر قرآن میں وہ حکم مذکور نہ ہو تو؟ میں نے عرض کیا سنت کی رو سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر اسے سنت میں بھی نہ پاؤ؟ تو میں نے عرض کیا اس وقت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

تمام تعریفیں اس خدا کیلئے ہیں جس نے رسول خدا کے قاصد کو مرضی رسول پر چلنے کی توفیق بخشی(۲۹)

امام ابوحنیفہؒ کا بھی سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ آپ نے اسی کی روشنی میں اپنے مسلک کی بنیاد اٹھائی اور استدلال کے اصول وضع کیے آپ خود فرماتے ہیں:

انی اخذ بکتاب اللّٰہ اذا وجدتہ فما لم اجدہ فیہ اخذت بسنۃ رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیہ وسلم الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات فاذالم اجد فی کتاب اللّٰہ ولا فی سنۃ رسول اللّٰہصلی اللّٰہعلیہ وسلم اخذت بقول اصحابہ من شئت وادع قول من شئت وثم لا اخرج من قولھم الی غیر ھم فاذ انتھی الامر الی ابزاھیم والشعبی والحسن و ابن سیرین وسعید بن المسیب فاجتھدکمااجتھدوا(۳۰)

میں سب سے پہلے مسئلے کا حل قرآن سے تلاش کرتا ہوں اگر وہاں نہ ملے تو سنت رسول ﷺ کی جانب رجوع کرتا ہوں اور صحیح اور ثقہ روایات سے استفادہ کرتا ہوں اگر مجھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ مسئلہ ان دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ پر غور کرتا ہوں پھر ان میں سے کسی ایک کے قول کو لے لیتا ہوں اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا، لیکن جب نوبت ابراہیم (نخعی) شعبی، حسن بصری، ابن سیرین اور سعد بن المسیب تک پہنچتی ہے تو پھر ان کے مقابلے میں میں خود اجتہاد کرتا ہوں جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا"

قلت روایت کا مسئلہ

کچھ ناواقف اور کم علم لوگ امام ابوحنیفہؒ کی طرف قلت روایت حدیث کی نسبت کرتے ہیں، حالانکہ آپ نے صحابہ کرام کے علاوہ جلیل القدر تابعین کا زمانہ پایا تھا جسے رسول اکرم ﷺ نے اپنے زمانے کے بعد سب سے اچھا زمانہ قرار دیا ہے، علاوہ ازیں آپ کی روایات کا ذخیرہ حضرت امام محمدؒ کے واسطے سے روایت کیا گیا ہے، جس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے بحر علمی کا یہ عالم تھا کہ آپ کو اقوال صحابہ و تابعین بکثرت از بر تھے اور آپ کا طریقہ انہی آثار و روایات پر مبنی ہوتا تھا اور پھر جس مجلس فقہ میں استنباط مسائل کا کام ہوتا تھا اس میں آپ کے شاگردوں میں سے یحیٰ بن سعید القطانؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ، یحیٰ بن زکریاؒ اور داود طائیؒ جیسے اعلیٰ پایہ کے کئی محدث شامل ہوتے تھے۔ اس سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو جانا چاہیے۔

امام ابوحنیفہؒ کا طرز استدلال

یہاں اگر امام ابوحنیفہؒ کے طرز استدلال کو ایک جملے میں بیان کرنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ فاضل امام کا طریقہ استنباط "رائے و قیاس" پر مبنی تھا۔ امام صاحبؒ کے مسلک کی یہی سب سے بڑی خصوصیت اور مخالفین کے یہاں یہی اس کا سب سے بڑا عیب ہے، اور یہی وہ اہم وصف ہے جس سے مسلک ابوحنیفہؒ کا ہمیشہ سے ذکر کیا جاتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ مخالفین نے اسے قرآن و سنت کے بالمقابل اپنی من مانی رائے پیش کرنے کے مترادف خیال کیا ہے جبکہ واقفان حال نے رائے اور قیاس کے ان الفاظ کو قرآن و سنت سے گہرے ارتباط کا آئینہ دار ٹھہرایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلک "رائے" کی اجمالی تاریخ

ان دونوں الفاظ میں سے لفظ "قیاس" تو اب اتنا متعارف ہو چکا ہے کہ اس کی حمایت میں مزید کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ کیونکہ قیاس کے مخالفین (ظواہر) میں سے ابن حزم جیسے لوگ بھی "قیاس عقلی" کا وجود تسلیم کر چکے ہیں (۳۱) تاہم لفظ "رائے" اب بھی کچھ کچھ کھٹکتا ہے، اس لئے شروع میں اس کی وضاحت کر دینا ضروری ہے۔

اصطلاح فقہ میں بالخصوص قرن اول میں فقط رائے کا استعمال قیاس کے مترادف کے طور پر ہوتا تھا، چنانچہ متعدد احادیث اور اقوال صحابہ میں اس کا ذکر ملتا ہے چند ایک مثالیں حسب ذیل ہیں۔

سطور بالا میں حضرت معاذ بن جبلؓ کے حوالے سے جو روایت منقول ہوئی ہے اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ نے قیاس کرنے کیلئے حسب ذیل جملہ ارشاد فرمایا تھا:

"میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا"

اجتہاد بالرای پر ایک حدیث مبارکہ میں حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد یوں نقل ہوا ہے:

انا اقضی بالرای فیمالم ینزل فیه (۳۲)

جن معاملات کیلئے وحی نازل نہیں ہوتی ان کا فیصلہ میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔

ایک دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یوں مذکور ہے:

اقض بالکتاب والسنۃ اذا وجدتها فاذالم تجد الحکم فیها اجتهد برایک (۳۳)

جب تم قرآن وسنۃ میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فتوی دو اور جب تم قرآن وسنۃ میں کوئی حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

محمد الخضری اس بحث کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صحابہ وتابعین کا یہ معمول تھا کہ جب انہیں کتاب وسنت میں کوئی نص صریح نہ ملتی تو وہ رائے کی طرف رجوع کرتے جیسا کہ ان کے فتاوی سے ظاہر ہوتا ہے اور اس دور میں "رائے" کا مدار قرآن وحدیث کے بعض عامۃ الورود قسم کے ارشادات مثلاً "لاضرر ولا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرار" (نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ) "دع ما یریبک الی مالا یریبک: (شک والے کام چھوڑ کر ایسے کام کرو جن میں شک نہ ہو) وغیرہ پر مبنی ہوتے تھے لیکن اس زمانے میں "رائے اور قیاس کیلئے باقاعدہ کوئی اصول وضابطہ مقرر نہ تھا، آہستہ آہستہ اس کے نتیجے میں نقصان پہنچنے لگا کیونکہ اس سے بڑی وسعت پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی بنا پر بعد ازاں اس کیلئے حدود و شرائط کا تعین کیا گیا اور یہ ضروری قرار دیا گیا کہ رائے کیلئے قرآن وسنت پر مبنی کسی اصل کا ہونا ضروری ہے اور یہی وہ قیاس ہے جسے چوتھے ماخذ کے طور پر پہچانا جاتا ہے۔

عہد صحابہؓ میں رائے وقیاس کے نمائندے

یہاں ان لوگوں کے عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جنھوں نے لفظ رائے کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے رفقائے کار کو مطعون کیا ہے اس لئے کہ انہی محمد الخضری نے آگے چل کر حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ربیعہ الرائیؒ اور ابراہیم نخعیؒ کو اس عہد میں رائے وقیاس کے نمائندے قرار دیا ہے (۳۴) ایک اور قدیم مصنف امام ابن قتیبہ الدینوری (م ۲۷۶ ھ) نے اس فہرست میں امام ابن ابی لیلی، امام اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس اور خود امام صاحبؒ اور ان کے نامور تلامذہ کو بھی شامل کیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ:

۱۔ رائے اور قیاس درحقیقت ایک ہی امر کا نام ہے۔

۲۔ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ بھی بعض صحابہ وتابعین رائے وقیاس سے کام لینے میں مشہور تھے، مگر امام صاحبؒ نے اس ضمن میں جن تجدیدی امور کا بیڑا اٹھایا اور رائے وقیاس کو جن قیمتی اصولوں اور تجربات سے روشناس کیا، ان کی فہرست بہت طویل ہے فقہ اور اصول فقہ پر لکھی جانے والی تمام تصانیف اس طرز استدلال کی عمدگی اور برجستگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اس کا ایک ہلکا سا اندازہ ائمہ کبار کے ان بیانات سے ہو سکتا ہے جو امام صاحبؒ کے ایک مخالف خطیب البغدادی نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث میں پیش کیے ہیں۔ جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

ابن عیینہؒ: میری آنکھوں نے امام ابوحنیفہؒ جیسا (باکمال) شخص نہیں دیکھا۔

امام مالک بن انسؒ: امام ابوحنیفہ کی قوت استدلال کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ کسی پہاڑ کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سونے کا ثابت کرنا چاہتے تو ثابت کر سکتے تھے(۳۵)

عبداللہ بن مبارکؒ: میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑا کوئی فقیہ نہیں دیکھا(۳۶) یہی قول امام شافعیؒ سے بھی مروی ہے(۳۷)

جب لوگ فقہ کی طرف سے غافل سو رہے تھے تو یہ امام صاحبؒ ہی تھے جنہوں نے لوگوں کو اپنے تفقہ سے جگایا اور فقہ کو خوب واضح کیا(۳۸)

آثار اور فقہ فی الحدیث کے لئے ایک مقیاس صحیح پیدا کرنا وہ لازوال کارنامہ ہے جو ہمیشہ امام ابوحنیفہ کے نام سے منسوب رہے گا(۳۹)

یحیٰ بن معین: میرے نزدیک فقہ تو صرف حنفی فقہ ہے(۴۰)

الغرض متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث(ماذا قیل فی ابی حنیفۃ)(امام ابوحنیفہؒ کے متعلق کیا کہا گیا) میں خطیب البغدادی بے شمار ائمہ کبار اور ماہرین فقہ وقیاس کے بیانات زیر بحث لائے ہیں۔ اور بقول شخصے الفضل ماشھدت بہ الاعداء، اس سے امام ابوحنیفہؒ کے طریق استدلال کی عمدگی اور خوبی ناقابل تردید حقیقت کی حیثیت سے سامنے آتی ہے(۴۱)

بہرحال امام ابوحنیفہؒ کے طرز استدلال کے چند نمایاں پہلو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اجتماعی یا گروہی مباحثہ

امام ابوحنیفہؒ نے جب اس عظیم الشان کام کا آغاز کیا تو انہوں نے امت مسلمہ کو انتشار وخیالات سے بچانے کے لئے اجتماعی یا گروہی مباحث کا طریقہ ایجاد کیا اور فقہی مسائل پر غور کرنے کیلئے ایک مجلس فقہ تشکیل دی مشہور مستشرق پروفیسر شاخت(Schacht) اس موقع پر لکھتا ہے:

امام اعظمؒ نے جس طریق سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور دشوار کام تھا، اس لئے انہوں نے اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا۔ اسی غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چالیس نامور اشخاص کا انتخاب کیا اور ان کی ایک مجلس بنائی۔ الھادی نے ان میں سے تیرہ کے نام دیئے ہیں جن میں امام ابویوسفؒ اور زفر بن الھذیل نمایاں شخصیتیں تھیں۔ اس طرح فقہ کا گویا ایک ادارہ علمی تشکیل پذیر ہوگیا، جس نے امام ابوحنیفہؒ کی سرکردگی میں تیس برس تک کام کیا۔ امام اعظمؒ کی زندگی ہی میں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجلس کے فتاوی نے حسن قبول حاصل کرلیا تھا۔ جیسے جیسے فتاوی تیار ہوتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں پھیلتے جاتے تھے(۴۲)

اور جیسا کہ اوپر گزرا قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس طرح تدوین پانے والے مسائل کی مجموعی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے(۴۳)

اس مجلس اور گروہی مباحثے کے ذریعے جس میں نامور علماء اور محدثین شریک ہوتے تھے، امام اعظم ایک طرف تو فقہا کی فکری تربیت فرماتے تھے جس نے آگے چل کر فقہ کی تحریک پر ایک نمایاں اثر ڈالا اور دوسری جانب اس اجتماعی عمل سے زیر بحث مسئلے کے ہر پہلو پر پوری طرح غور وخوض کرنے اور اپنے طریقہ استدلال میں ہمہ گیری اور آفاقیت پیدا کرنے میں بڑی مفید پیش رفت ہوئی۔

اصول فقہ کی تدوین

اگرچہ اصول فقہ کا بانی امام شافعیؒ کو بیان کیا جاتا ہے جنھوں نے سب سے پہلے اس موضوع پر اپنی تصنیف الرسالۃ میں بحث کی لیکن اہل تحقیق کے نزدیک امام شافعیؒ اصول فقہ کے پہلے باقاعدہ مصنف تو ہوسکتے ہیں، بانی نہیں۔ خاص طور پر اس بنا پر کہ ابن ندیم صاحب الفہرست کے مطابق اس موضوع پر اولین تصنیف امام ابو یوسفؒ نے مرتب کی تھی مگر وہ دستبرد زمانہ کا شکار ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ یہ تصنیف امام ابو حنیفہؒ کے اختیار کردہ اصول وقوانین کے مطابق ترتیب دی گئی ہوگی۔ ویسے بھی جیسا کہ سطور بالا میں تفصیلاً ذکر ہوا۔ امام صاحبؒ سے پہلے قیاس واستدلال کے لئے کوئی سکول یا دبستان نہ تھا اور نہ ہی کوئی خاص اصول وقوانین موجود تھے۔ امام صاحب پہلے فرد ہیں جنھوں نے باقاعدہ اصول وقوانین کے تحت مسائل فقہ کا استنباط کیا۔ انہی اصولوں کو امام ابو یوسفؒ نے مرتب کیا تھا مگر وہ تصنیف ضائع ہوگئی چنانچہ بعد ازاں جو تصانیف اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی نمایاں ترین خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان میں فقہی اصول ان فروعات فقہ کی روشنی میں مرتب ہوئے جو ائمہ حنفیہ ہی سے منقول تھے۔ اس نوع کی تصانیف میں الدبوسی کی تقدیم الادلۃ الجصاص رازی کی کتاب الاصول، البزدوی کی کتاب الاصول، السرخسی کی تمہید الفصول اور النخعی کی کتاب المنار وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قابل ذکر ہیں۔

امام صاحبؒ نے استدلال کرنے کے جو اصول وضع فرمائے تھے، ان کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں نہ اس کی گنجائش ہے اور نہ ضرورت، البتہ انہیں کے چند اہم پہلوؤں کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

(الف) تقدیم قرآن

امام صاحبؒ کے طریقہ استدلال کا نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں قرآن حکیم کو سب سے اہم اور سب سے مقدم رتبہ دیا گیا ہے۔ اگرچہ اصولی طور پر تو تمام مسالک فقہ میں اس کی یہ حیثیت مسلمہ ہے، مگر عملی طور پر اس کے انطباق میں اختلاف دیکھا جا سکتا ہے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسئلہ فاتحہ خلف الامام

امام شافعیؒ نے بعض روایات کی بنا پر امام کے پیچھے جہری نمازوں میں بھی فاتحہ پڑھنے کا حکم مستنبط کیا ہے۔ جبکہ مسلک احناف کے مطابق اس سے سورہ الاعراف کی حسب ذیل آیت کی واضح طور پر خلاف ورزی ہوتی ہے جہاں ارشاد ہے:

وذا قرئ القرآن فاستمعواله وانصتوالعلکم ترحمون (۴۵)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

چونکہ فاتحہ خلف الامام کے مسئلے میں یہاں احادیث اور قرآن میں بظاہر تعارض نظر آتا تھا، اسی لئے امام صاحبؒ نے حکم قرآنی کو مقدم رکھا اور احادیث کی بعض دوسری احادیث ہی کی رو سے یہ تاویل کی۔

قراٗہ الامام قراٗة له

امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہی ہے۔

(۲) ذبیحہ مسلم کا مسئلہ

اگر کسی ذبیح پر کوئی مسلمان بھول کر بسملہ (بسم للّٰہ) نہ پڑھے تو اس کا کھانا متفقہ طور پر جائز ہے لیکن اگر کوئی مسلمان جان بوجھ کر بسملہ نہ پڑھے تو ایسے ذبیح کو امام شافعیؒ نے حلال قرار دیا ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ اس کی اباحت کے خلاف ہیں۔ شوافع نے بعض احادیث سے استفادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے، مگر امام صاحبؒ قرآن حکیم کی حسب ذیل صراحت کو مد نظر رکھتے ہیں۔

ولا تاکلوا ممالم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق(۴۶)

اور جس چیز پر خدا کا نام نہ لیا جائے اسے مت کھاؤ کہ اس کا کھانا گناہ ہے۔

یہاں امام شافعیؒ کا مسلک قرآنی حکم سے متصادم نظر آئے گا (اگرچہ امام شافعیؒ اس کی تاویل کرتے ہیں) جبکہ فقہ حنفی میں یہ فرق محسوس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس نوع کی کتب اصول فقہ میں کئی مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

(ب) قرآن و حدیث میں امتیاز

اگر ایک مسئلہ قرآن سے ثابت ہو اور دوسرا بعض احادیث سے، ان میں اصولی طور پر فرق ہونا چاہیے۔ مگر یہ فرق احناف کے سوا کسی اور مسلک میں نظر نہیں آتا۔ ہر دو طریقے پر جو حکم ثابت ہو اسے فرض کہہ دیا جاتا ہے جبکہ امام صاحبؒ ان میں فرق کرتے ہیں اور وہ یہ کہ:

ماثبت بدلیل قطعی الثبوت والدلالہ وھوالفرض وماثبت بدلیل ظنی الثبوت اوالدلالۃ وھوالواجب ویسمی فرضاً عملیا(۴۷)

جو مسئلہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ دلیل سے ثابت ہو وہ تو فرض ہے، مگر جو ظنی الثبوت یا ظنی الدلالہ دلیل سے ثابت ہے وہ واجب ہے، اسے فرض عملی بھی کہتے ہیں۔

فرض اور واجب کا یہ فرق عملی نہیں ہے، محض علمی اور اعتقادی ہے۔ فرض کا منکر کافر ہے، مگر واجب کا منکر کافر نہیں کہا جاتا۔ اس ضمن میں حسب ذیل مسئلے سے بات واضح ہو سکتی ہے۔

امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک وضو کے فرائض چار سے زیادہ ہیں۔ یہ اضافے انہوں نے احادیث سے ثابت کیے ہیں، مگر امام صاحبؒ قرآنی حکم(۴۸) کے مطابق صرف چار فرائض کے قائل ہیں(۴۹)

امام اعظمؒ نے یہ فرق چند مقامات پر ہی نہیں، بلکہ ناسخ و منسوخ، تقیید و اطلاق اور تعمیم و تخصیص(۵۰) وغیرہ کے بہت سے مقامات میں ثابت کیا ہے اور ہر جگہ قرآن کے رتبے اور مقام کو اہمیت دی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) احادیث کے متعلق رویہ

امام صاحبؒ کے متعلق ایک نہایت غلط طور پر یہ تاثر قائم کرلیا گیا ہے کہ آپ احادیث سے نا بلد تھے، حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا، جس زمانے میں امام صاحب اپنی فقہ کو ترتیب دے رہے تھے اس زمانے میں احادیث کا رتبہ نہایت مستحکم تھا اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ کسی ایسے مسلک کو اتنے تابعین اور تبع تابعین کی موجودگی میں اتنی جلدی قبول عام حاصل ہوجائے۔ جبکہ اس میں احادیث کی رعاینت نہ رکھی گئی ہو یہ غلط فہمی ابن خلدون کی ایک تحریر سے پھیلتی ہے (۵۱) حالانکہ خود ابن خلدون (۷۳۲ھ/۱۳۳۲-۸۰۸ھ/۱۴۰۶ء) امام صاحبؒ سے پانچ صدیاں بعد ہوا ہے اور پھر اس کی معلومات بھی اتنی تسلی بخش نہیں ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جاسکے، خود تاریخ کے بہت سے حقائق میں اس کا بیان محل نظر ہے چہ جائیکہ علم حدیث کے باب میں اس کی بذلہ سنجی کو قبول کیا جاسکے۔ الذھبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۴۸ء) جو اپنے علم حدیث اور زمانہ دونوں کے اعتبار سے ابن خلدون سے مقدم ہیں۔ امام صاحبؒ کا ذکر حفاظ حدیث میں کرتے ہیں (۵۲) پھر آپ کے شاگردوں نے آپ کی نقل کردہ روایات کو جمع کر کے جامع مسانید ابی حنیفہؒ کے نام سے، الگ مرتب بھی کردیا ہے، علاوہ ازیں آپ کے شاگرد امام محمدؒ ہیں، جو امام شافعیؒ کے استاد بھی ہیں اور امام شافعی امام احمد بن حنبلؒ کے استاد و مربی تھے، اس طرح بالواسطہ طور پر امام صاحبؒ ان دونوں محولہ بالا ائمہ کے استاد ٹھہرتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ امام صاحبؒ جس دبستان فقہ سے تعلق رکھتے تھے اور جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے علمی و فقہی مسلک پر مبنی ہے اس مسلک میں روایت کے ساتھ ساتھ درایت کے اصولوں پر زور دیا جاتا تھا اور امام صاحبؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے درایت کے اصولوں کا سختی سے نفاذ کیا۔ قبول حدیث میں محتاط رویہ اختیار کیا اور فقہی دنیا کو درایت کے بعض اصولوں سے متعارف کروایا۔ روایت کے یہ اصول رفتہ رفتہ تمام فقہی مسالک میں اختیار کیے گئے ہیں، مگر پھر بھی مسلک حنفی میں احادیث کو نرم ترین شرائط پر قبول کیا گیا ہے، مثلاً حسب ذیل امور پیش نظر رکھے:

(الف) حدیث مشہور سے بہت فقہاء نے قرآن حکیم کے عام کو خاص بنانے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطلق کو مقید کرنے کا قول کیا ہے، مگر احناف اس کو ظن قریب الیقین کا موجب سمجھتے ہیں اور اس کے محولہ بالا استنباط کی اجازت دیتے ہیں (۵۳)

(ب) خبر واحد (جس کا راوی ایک ہو) کی قبولیت میں احناف مالکیہ اور شوافع کے ساتھ ہیں، مگر ان میں سب سے نرم شرائط پر اسے احناف قبول کرتے ہیں۔

(ج) مرسل جو حدیث کی ایک اہم قسم ہے اکثر ائمہ کے نزدیک قابل قبول نہیں مگر احناف کے نزدیک مرسل بھی حجت ہوتی ہے (۵۴)

اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ احناف نے احادیث کو سب سے آسان اور نرم شرائط پر قبول کیا ہے اور اپنے مسلک کی بنیاد احادیث یا قرآن پر رکھی ہے۔ اسی بنا پر فقہ حنفی کی تمام معتبر اور متداول کتابوں میں ہر مسئلے کی تخریج میں اولاً آیہ قرآنیہ یا حدیث یا اجماع کا ذکر کیا جاتا ہے بعد ازاں قیاس کا بیان ہوتا ہے:

اس پر مستزاد یہ کہ بعض اوقات حدیث کی بنا پر اپنا سابقہ مسلک بھی تبدیل کر لیتے تھے، چنانچہ خطیب بغدادی نے امام صاحبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ لونڈی کی آزادی کو اس کی طلاق قرار دینے میں آپ نے اپنا سابقہ مسلک کیوں بدلا، تو انھوں نے جواب دیا کہ حدیث بریرہ کی بنا پر، جس میں بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزادی کے وقت اختیار دیا تھا (۵۵)

(۴) قیاس

مسلک حنفی کا سب سے نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس میں قیاس کو بڑی وسعت سے استعمال کیا گیا ہے، تاہم امام صاحبؒ نے قیاس کے لئے کڑی شرائط رکھی تھیں، جن میں سے چار حسب ذیل ہیں:

(الف) اصل، یعنی شریعت کی وہ نص جس سے کوئی دوسرا حکم قیاس کیا جا سکے۔

(ب) فرع، یعنی وہ جزئیہ جس کے بارے میں حکم مطلوب ہے۔

(ج) وہ حکم جو فرع کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے۔

(د) دونوں کے درمیان علت مشترکہ کیا ہے (۵٦)

ان اصولوں پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے نص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبوی کے مطابق قیاس کے ذریعے وسعت پذیر اسلامی معاشرے کی قانونی وفقہی ضروریات کی تشکیل کا ایک نہایت عمدہ اور گراں قدر طریقہ اختیار کیا تھا، جس طریقے میں ہر حکم کی روح اور اس کی غرض وغایت کو سمجھنا ضروری تھا۔ امام صاحبؒ نے اپنی خدا داد صلاحیتوں سے استدلال کا جو طریقہ اختیار کیا اس میں نص کو بہ طور ایک کلیہ یا اصول کے لیا جاتا تھا، پھر اس کی تحلیل کر کے متعدد فروعات پر اس کا انطباق کیا جانا ممکن ہوتا۔ اس طریقے سے ایک ایک نص سے بکثرت احکام ومسائل کا استنباط کیا جانا ممکن ہو گیا۔ چنانچہ محققین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ مسالک اربعہ میں سے اس وصف میں کوئی دوسرا مسلک فقہ حنفی کا حریف نہیں ہوسکتا(۵۷) یہ فقہ تقریباً پانچ سو(۵۰۰)سال تک عہد عباسی، ہندوستان، ترکستان، افغانستان اور ماوراالنہر، ترکی اور بعض عرب ممالک وغیرہ میں تادیر رائج رہی اور کسی ایک مسئلے میں اس فقہ کی ناکامی ثابت نہ کی جاسکی۔ عملی انطباق کا یہ پہلو فقہ حنفی کا ممتاز وصف ہے۔

(۵) استحسان

فقہائے احناف قیاس کے ساتھ ساتھ استحسان کو بھی بروئے کار لاتے تھے۔ جس کا مفہوم نص قرآنی(۵۸)کے مطابق لوگوں کے لئے سہولت بہم پہنچانا ہے۔ ان سہولتوں کا کسی نہ کسی رنگ میں ہر ایک فقہی مسلک میں لحاظ رکھا گیا ہے۔ امام مالکؒ اسے "مصالح مرسلہ" اور بعض اہل مسالک عرف وعادت کے حوالے سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اسے استحسان کا نام دیا ہے اور اس کی حسب ذیل تعریف کی ہے۔

هوترک القیاس والاخذبماهو اوفق للناس(۵۹)

قیاس چھوڑ کر ایسی بات اختیار کرنا، جو انسانوں کے لئے زیادہ آسان ہو۔

استحسان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ درحقیقت بڑی دلیل کو چھوڑ کے چھوٹی دلیل یا قیاس جلی کو چھوڑ کر قیاس خفی کو اختیار کرنا استحسان ہے اور اس کا مقصد اصلاحی اور تعمیری ہوتا ہے، بلا کسی ثبوت یا اصل کے نہیں ہوتا۔ اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے امام صاحب عوام الناس کو شریعت اسلامیہ اور اس کی سہولتوں کے زیادہ سے زیادہ قریب لانا چاہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۶) استصحاب

استصحاب الحال کے ذریعے دراصل سابقہ دور کے کسی رسم ورواج یا عرف وعادت کو بحالہ (بعینہ) رہنے دیا جاتا ہے اس استدلال کی بعض صورتوں کو بھی امام صاحبؒ نے اختیار کیا۔ استصحاب کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ جب تک کسی مسئلے کے خلاف کوئی حکم شرع ثابت نہ ہو، سابقہ حالت کو برقرار رہنے دیا جائے (۶۰)

(۷) لغت وادب سے استدلال

امام صاحبؒ نے اپنے استدلال میں لغت وادب سے بھی کام لیا اور یہ مسئلہ اساسی نوعیت کا ہے۔ آپ سب سے پہلے نص کے الفاظ پر غور کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اس لفظ کا لغوی اور اشتقاقی استعمال کن معنوں میں ہوتا ہے۔ پھر اگر حقیقی معنوں میں اس کا قبول کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اس کے مجازی مفہوم کو اختیار کیا جائے۔

بہرحال ان استدلالات سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنی فقہ کو مزین کر کے فقہا کے لئے سوچنے اور قانون کی تدوین کے لئے ایک بہترین اور مثبت انداز فکر دے کر فقہ کی دنیا میں انقلاب پیدا کردیا جس کے لازوال اثرات ابھی تک دیکھے جاسکتے ہیں، اور اسلامی ممالک کی کثیر تعداد فقہ حنفی پر عمل کرتی نظر آتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جتنا ہی کوئی ملک زیادہ متمدن ہوتا ہے فقہ حنفی کا رواج اس میں اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے۔ تمدن کی ترقی اور انسانوں کی بڑھتی ہوئی ضروریات کا کتاب وسنت کی روشنی میں جس عمدگی سے فقہ حنفی ساتھ دیتی ہے مسائل کے ساتھ اتنی ہم آہنگی دیگر مسالک فقہ میں نظر نہیں آتی۔ بلکہ بعض اصحاب تو یہ فرماتے ہیں کہ کم متمدن ممالک ہی میں دوسرے مسالک فقہ کا رواج ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اپنے مسائل فقہیہ میں بڑے مناسب طریقے سے، "قیاس ورائے" کا استعمال کر کے اس میں ہمہ گیری، وسعت اور آفاقیت پیدا کردی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱- خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۴۶

۲- حدائق الحنفیہ خیابان اول، ص: ۲۴، مکتبہ حسن سہیل لاہور۔

۳- حدائق الحنفیہ خیابان اول، ص: ۱۳۱ (شمارہ ۲۹۷)

۴- ایضاً

۵- حدائق، ص: ۳۴، تفسیر مظہری، ۸: ۷۴۴، بحوالہ صحیحین الطبرانی۔

۶- ایضاً بحوالہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی الدمشقی صاحب سیرت شامیہ (۸: ۷۴۴، ح ۱)

۸- ابن خلکان: وفیات الاعیان، عدد ۱۶۷ طبع دلیسلان۔

۹- صاحب حدائق الحنفیہ نے اساتذہ کرام کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے، جو یقیناً مبالغہ ہے ان میں سے بعض کے نام بھی انہوں نے گنوائے ہیں (ص: ۴۴ تا ۴۶

۱۰- ابن الندیم، الفہرست، ۲۰۱

۱۱- حدائق، ص: ۱۱۵۔ بحوالہ مسند خوارزمی۔

۱۲- مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب ۵۵

۱۳- حدائق الحنفیہ، ۱۱۳

۱۴- حدائق، ص: ۷۵

۱۵- حدائق، ص: ۷۶

۱۶- حدائق، ۱۰۸

۱۷- اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ۱- ۷۸۶- ۷۸۷

۱۸- عبد الکریم، شہرستانی: الملل النحل، برحاشیہ ابن حزم کتاب فصل فی الملل ۲: ۴۶

۱۹- دیکھئے شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان مطبوعہ دہلی ۱۹۰۴ء

۲۰- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج: ۶، مطبوعہ بیروت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱۔ دیکھئے الشہرستانی: الملل والنحل، ۳۴۰-۳۴۶

۲۲۔ ملاجیون: التفسیرات الاحمدیہ

۲۳۔ ۷۵ (القیامۃ): ۱۷ تا ۱۹

۲۴۔ بنی اسرائیل ۸۹، کہف۔ ۵۴

۲۵۔ دیکھئے محمد فواد عبدالباقی۔ معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم بذیل مادہ

۲۶۔ النحل: ۴۴

۲۷۔ العنکبوت: ۴۳

۲۸۔ النساء: ۵۹

۲۹۔ ابوداود: ۳: ۱۸ حدیث ۳۵۹۲، الترمذی کتاب الاحکام حدیث نمبر ۱۳۲۷

۳۱۔ محمد الخضری: تاریخ التشریع الاسلامی، مطبوعہ قاہرہ
۱۳۷۵ھ، ص: ۲۶۸-۲۷۰ المحمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، ص: ۴۳ تا ۴۷

۳۲۔ محمد الخضری: فلسفہ شریعت اسلام، مترجمہ اردو ص: ۱۸۱-۱۸۹

۳۳۔ ایضاً، ص: ۱۸۸

۳۴۔ محمد الخضری: تاریخ التشریع الاسلامی، ص: ۲۰۰

۳۵۔ تاریخ بغداد، ۱۳: ۳۳۶

۳۶۔ تاریخ بغداد، ص: ۳۳

۳۷۔ تاریخ بغداد، ص: ۳۴۳

۳۸۔ تاریخ بغداد، ص: ۳۴۶

۳۹۔ تاریخ بغداد، ص: ۳۴۵

۴۰۔ تاریخ بغداد، ص: ۳۵۰

۴۱۔ تاریخ بغداد، ص: ۳۴۷

۴۲۔ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ؛ مقالہ، ابوحنیفہ ۱: ۸۴۷ (مقالہ از پروفیسر شاخت

۴۳۔ ایضاً، بمحل مذکور

۴۴۔ طاش کوپرولی: مفتاح السعادۃ: ۵۳

۴۵۔ الاعراف: ۲۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۶- الانعام: ۱۲۱

۴۷- علی حسب اللہ، اصول التشریع الاسلامی، ص: ۳۱۴-۳۱۵

۴۸- المائدہ: ٦

۴۹- دیکھئے نور الانوار، از ملا جیون، ص: ۱۰-۱۱

۵۰- ایضاً، ص: ۱۱-۲۰ وغیرہ۔

۵۱- مقدمہ ابن خلدون،

۵۲- الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱۵۸: بعید

۵۳- علی حسب اللہ: اصول التشریع الاسلامی، ص: ۴۵-۴٦

۵۴- ایضاً نیز محمد ابوزہرہ: اصول فقہ، ص: ۱۰۵-۱۱۴ وغیرہ۔

۵۵- تاریخ بغداد، ص: ۱۳، ۳۴۰:۱۱

۵٦- محمد ابوزھرہ: اصول الفقہ، ص: ۲۲۷

۵۷- دیکھئے شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان، ۱۲۹ تا ۱۳۱ (مطبوعہ رنگین پریس دہلی ۱۹۲۲ء/۱۳۴۱ھ)

۵۸- البقرہ: ۱۸۵

۵۹- السرخسی: المبسوط، ج: ۱۰، ص ۱۴۵

٦۰- المحمصانی: فلسفہ شریعت اسلام، مطبوعہ ترقی ادب، لاہور جون ۱۹۷۱ء (اردو ترجمہ) ص: ۲۰٦ تا ۲۱۱

© rasailojaraid.com